R. No. [illegible] | Regd. No. [illegible]

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ اشاعت [illegible]

ٹیلی فون [illegible] قیمت تین روپے سالانہ فی پرچہ [illegible] پیسے

یکم مئی سنہ ۱۹۶۴ء	ایڈیٹر ۔ آل احمد سرور	جلد ۲۳، شمارہ ۱۷

اداریہ

اردو کے لیے تین محاذ

پنڈت آنند نرائن ملا نے جو ہماری مرکزی انجمن کی مجلس عام کے ممبر اور ہماری اتر پردیش کی ریاستی شاخ کے صدر ہیں، ۱۹ اپریل کو جامعۂ اردو علی گڑھ کے جلسۂ تقسیم اسناد میں جو خطبہ پڑھا اس میں اس بات پر خاص طور سے زور دیا کہ اردو کے لیے تین محاذوں پر کام کرنا چاہیے۔ اوّل تو خود اردو کے اسکول کھولنے چاہئیں یا جامعۂ اردو کی طرح کے ادارے قائم کر کے گھر میں چراغ جلانے چاہئیں۔ دوسرے ساتھیوں اور اس پڑوس کے منصف مزاج اور معقول حضرات کو اردو کے ساتھ انصاف کرنے کی مہم میں ساتھ لینا چاہیے اور اگر اس طرح مسئلہ حل نہ ہو تو پھر جو لوگ اردو کے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں ان کو دستوری اور آئینی ذرائع سے اپنی مسند سے ہٹا کر ایسے لوگوں کو یہ جگہ دینی چاہیے جو جمہوریت کا زیادہ صالح تصور رکھتے ہیں اور جو جانتے ہیں کہ لسانی اقلیتوں کو مطمئن کرنا جمہوریت اور یک جہتی کو مستحکم کرنے کے لیے کتنا ضروری ہے۔ ملا صاحب نے جو بات نہایت واضح طور پر کہی ہے وہ ہماری زبان میں مختلف اداریوں میں برابر کہی جاتی رہی ہے، پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ جس طرح اردو کے مقابلے میں سرد غفلت سے کام نہیں چلتا اسی طرح دیوانگی بھی مضر ہے جو محض جذباتی ابال کا نتیجہ ہے۔ اس لئے ملا صاحب کے ارشادات پر غور کرنا کافی نہیں ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اگر ہم خود اردو کے اسکول زیادہ سے زیادہ تعداد میں قائم کریں گے اور حکومت کو بھی اس پر مجبور کریں گے کہ وہ دستور کی دفعہ ۳۵۰ الف کی پوری پابندی کرے اور جہاں جہاں اردو بولنے والوں کی قابل لحاظ آبادی ہو وہاں خود اردو ذریعۂ تعلیم کے اسکول کھولے، تو اردو کی ترقی کی راہیں خود بخود کھل جائیں گی۔ پھر ہمارا یہ بھی فرض ہے کہ ہندی کے حامیوں، مختلف زبانوں کے بولنے والوں، مختلف سیاسی پارٹیوں کے ممبروں کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ سرکاری زبان ایکٹ میں ترمیم پیش کر کے اردو کو بھی اتر پردیش، بہار، پنجاب کی ریاستوں میں اور دہلی کے مرکزی علاقے میں سرکاری زبان کی حیثیت سے تسلیم کرائیں اور دوسری ریاستوں میں اس کی تعلیم کے لیے مناسب سہولتوں کا انتظام کرائیں۔ یہ دونوں کام خود بہت بڑے پیمانے پر جدوجہد چاہتے ہیں۔ ان میں کامیابی ہوگی تو تیسری منزل بھی آسان ہو جائے گی، بلکہ پہلی منزل، دوسری کے لیے اور دوسری تیسری کے لیے راستہ صاف کرے گی۔ جس طرح معمولی لیپ پوت سے مطمئن ہونا یا چند خوش آیند اعلانات سے خوش ہو جانا ہماری بھول ہوگی، اس طرح خود بڑے پیمانے پر اسکول کھولے بغیر، اور مختلف سیاسی پارٹیوں اور مختلف زبانوں کے حامیوں کو ساتھ لیے بغیر حکومت کو ہم اس بات پر مجبور کرنے کے قابل نہ ہو سکیں گے۔ دوسرے الفاظ میں انجمن کی شاخوں، اردو کے تمام اداروں اور اردو کے سب حامیوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے علاقے میں اپنے اسکول چلائیں، حکومت کو اسکول کھولنے پر مجبور کریں اور اپنے

اس اشاعت میں

علاقے کے سنجیدہ اور معتدل مزاج اشخاص کی مدد سے حکومت کو اپنی لسانی پالیسی بدلنے پر مجبور کرائیں۔ آج کوئی ریاستی حکومت لسانی سامراج کے نشے میں سرشار ہے اور لسانی اقلیتوں کے حقوق کا پاس نہیں کرتی اور انھیں مطمئن نہیں کر سکتی تو اُسے جمہوریت کا نام لینے کا کوئی حق نہیں، نہ وہ قومی یک جہتی کی بات کر سکتی ہے کیوں کہ بقول مُلّا کے لسانی سامراج اور جمہوریت میں بیر ہے اور ایسی وحدت جو ہماری رنگا رنگ تہذیب کو پامال کر کے اُسے ایک بے رنگ یکسانیت دینا چاہتی ہے، ہماری مشترک تہذیب کے ساتھ ظلم اور ہماری جمہوریت کے فروغ کے لیے سمِ قاتل ہے ہمیں اپنا کام جلد سے جلد خود شروع کر دینا چاہیے تاکہ دوسروں کو بھی اس کے لیے آمادہ کر سکیں۔

سیر بین

بتائیے کہ ان الفاظ میں سے آپ کسے ترجیح دیتے ہیں۔
تشہیر یا پبلسٹی۔ نابغہ یا جی نی یس۔ مدیر یا ایڈیٹر۔ تجربہ گاہ، معمل یا لیبوریٹری۔ غیر مذہبی یا سیکولر۔ عشائیہ یا ڈنر۔ عصرانہ یا ایٹ ہوم۔ ظہرانہ یا لنچ۔

یاد آتا ہے کہ ۱۹۱۶ء میں علی گڑھ میں ایک علمی اجتماع تھا، دعوت کے کارڈ میں چائے کی جگہ "چنی" سبزہ زار جوش شاندہ رکھا۔ ڈاکٹر تارا چند کا اس وقت کا تبسم اب تک آنکھوں میں پھرتا ہے۔ ۱۹۲۰ء میں راقم الحروف کو حیدرآباد جانے کا اتفاق ہوا۔ ایک حلوائی کی دکان پر لکھا تھا۔ "مخزن الثمرات" اسی وقت یقین ہو گیا تھا کہ یہ اردو چلنے والی نہیں۔ اس کے ساتھ تحتانی، فوقانی اور سب سے بڑھ چڑھ کر مجاز طبسا تین۔ آج کتنے اردو کے بی۔ اے یہ اصطلاحیں جانتے ہیں۔

سالانہ اجلاس انجمن ترقی اردو صوبۂ دہلی

(۱)

انجمن ترقی اردو دہلی کا سالانہ اجلاس ۱۰ راپریل کی شام کو آزاد بھون (اندرپرستھ اسٹیٹ) میں جناب پنڈت ہردے ناتھ کنزرو (صدر مرکزی انجمن) کی صدارت میں منعقد ہوا۔

اس جلسے میں دلّی کے سرکردہ شعرا و ادبا، دانشوروں اور معزز شہریوں نے شرکت فرمائی۔ جلسے کا آغاز پنڈت سندر لال صدر انجمن ترقی اردو دلّی کی تقریر سے ہوا۔

سندر لال صاحب نے پنڈت کنزرو کو خوش آمدید کہتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے لیے یہ بڑی مسرت و فخر کا موجب ہے کہ اس جلسے کی صدارت پنڈت جی فرما رہے ہیں، جو ہماری مرکزی انجمن کے بھی صدر ہیں۔ اور ویسے بھی اردو کے شیدائیوں میں سے ہیں۔ آج ان کے گراں قدر مشورے سے ہماری رہنمائی ہو گی۔ اور کام کرنے کے لیے مفید باتیں معلوم ہوں گی۔ میرا ان کا ساتھ بہت پرانا ہے۔ ۱۹۱۰ء سے ہم دونوں مل کر قومی اور ادبی کام کرتے رہے ہیں۔

پنڈت کنزرو نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا کہ اردو کے مستقبل سے میں مایوس نہیں ہوں۔ حالاں کہ ترقی کی رفتار بہت آہستہ ہے لیکن اگر ہم سب مل کر کوشش کرتے رہیں گے تو یقیناً اردو کو اس کا حق ملے گا۔ دلّی میں جو کام انجمن ترقی اردو کر رہی ہے۔ اس کا ذکر ابھی آپ نے سنا۔ یہاں پانچ علاقائی شاخیں بن گئی ہیں۔ یہ بہت اچھا ہوا۔ دلّی وہ جگہ ہے جو اردو کی جنم بھومی ہے۔ یہاں کی علاقائی زبان اردو ہی ہو سکتی ہے۔ دلّی کے اسکولوں میں اردو پڑھانے کا انتظام جلد از جلد ہو جانا چاہیے۔ یہ بڑی افسوسناک بات ہے کہ تقسیم ہندوستان کے بعد جو لوگ اپنی زبان اردو بتاتے تھے انھوں نے بھی ۱۹۵۱ء کی مردم شماری میں اپنی مادری زبان ہندی لکھوائی۔ اس طرح ان لوگوں کی تعداد بہت کم رہ گئی جنھوں نے اردو اپنی زبان لکھوائی۔ یہ برا نتیجہ ہندوستان کی تقسیم کی وجہ سے اردو کے حق میں ہوا۔

صدر محترم نے اتر پردیش میں اردو کے مسئلے کا ذکر بہت وضاحت سے فرمایا اور کہا کہ تنگ خیالی کی وجہ سے اتر پردیش گورنمنٹ نے اردو کی طرف سے بے اعتنائی برتی۔ حالاں کہ دوسرے صوبوں میں جو اردو کے علاقے نہیں ہیں وہاں کافی آسانیاں اردو کے لیے دی گئی ہیں دلّی میں بھی اردو کے لیے فضا کچھ سازگار نہیں ہے مرکزی انجمن ترقی اردو اس سلسلے میں اپنے فرائض سے غافل نہیں ہے۔ سیکنڈری اسکول کے ہیڈ ماسٹروں کو جو سرکلر بھیجا گیا ہے، انجمن نے اس سرکلر کے متعلق یو۔ پی گورنمنٹ سے شکایات کیں۔ لیکن ابھی تک کوئی تسلی بخش جواب نہیں آیا۔ ہم نے پھر یاد دہانی کرائی ہے۔ وزیر تعلیم نے اسمبلی میں یہ کہا کہ ضروری تعداد پانچ لڑکوں تک کر دی گئی ہے۔

حکومت ہند نے ہندی پڑھنے والوں کے لیے ہر طرح آسانی بہم پہنچا دی ہے۔ یو۔ پی گورنمنٹ حکومت ہند سے اس سلسلے میں بھی مدد لے سکتی ہے۔ اتر پردیش میں موافق حالات نہ ہونے کے باوجود کوشش کی جا رہی ہے کہ وہاں اردو کے ساتھ انصاف کیا جائے۔ دلّی اور اتر پردیش سے ہی اردو کا مسئلہ وابستہ ہے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہماری حکومت اردو کی طرف توجہ کیوں نہیں دیتی۔ حالاں کہ اردو دستوری زبانوں میں سے ایک زبان ہے۔ جتنی جلدی یہ تنگ خیالی کو دور کر کے حکومت ہند اور اتر پردیش کی حکومت اردو کے معاملے میں انصاف کریں گی اتنا ہی ہمارا سیکولرازم مضبوط ہو گا اس امر خصوصی میں گورنمنٹ کا فرض ہے کہ اقلیتی زبانوں پر زیادہ توجہ دیں۔ کیوں کہ یہ اجلاس اردو والوں کا ہے۔ اس لیے میں اپنی حکومت کو اردو کے متعلق خاص توجہ دلاتا ہوں۔

(باقی آئندہ)

نذیر اقبال

فورٹ ولیم کالج کے اساسی پہلو

فورٹ ولیم کالج کے قیام کا بنیادی مقصد انگلینڈ سے آنے والے نوعمر سرکاری ملازموں کی تعلیم و تربیت کا معقول انتظام کرنا تھا۔ ہندوستان میں اس نوعیت کا یہ پہلا سرکاری ادارہ تھا۔ اس سے پہلے جو علمی ادارے اہل یورپ نے یہاں قائم کیے اول تو وہ سرکاری نہیں تھے دوسرے ان کے مقاصد مختلف تھے۔ مثلاً ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال جس کا انعقاد چند ہی سال قبل عمل میں آچکا تھا، خالص عالموں کی انجمن تھی۔ اس کے بانیوں کے پیش نظر صرف علما اور محققین کی ضروریات اور دلچسپیاں تھیں۔ سر ولیم جونز کا مقصد اعلیٰ پیمانہ پر مشرقی علوم کی تحصیل کی ترغیب دینا تھا اس لیے اس ادارے کے ذریعے سے جو کچھ بھی ہوا اسی پیمانہ پر ہوا۔

سیاسی پہلو فورٹ ولیم کالج کے قیام کے سلسلے میں ولزلی کے پیش نظر جو مقصد تھا اس کی صراحت اس نے متعدد جگہ کی ہے۔ اٹھارہویں صدی کے اواخر تک ہندوستان میں برٹش خاصی وسیع ہو چکی تھی۔ لیکن انتظام سلطنت کی باگ ڈور ایسٹ انڈیا کمپنی کے یورپی ملازمین کے ہاتھوں ہی میں تھی۔ ولزلی کا خیال تھا کہ یہ ملازمین اب صرف ایک تجارتی کمپنی کے ہی ملازمین نہیں ہیں بلکہ ان کی اصلی حیثیت ایک قومی بادشاہ کے نائبین کی ہے اور اب اسی منصب کے مطابق ان کے طرز عمل کا تعین کرنا چاہیے۔ اس نے ہندوستان کے حالات، اہل یورپ اور ہندوستانیوں کے تعلقات اور ان ملازمین کے فرائض پر تفصیلی مباحث کیے ہیں۔

اس کالج کے آئین اور ضوابط کے دیباچہ میں وہ کہتا ہے:-

> "خدائے قدوس کے فضل و کرم سے ہندوستان میں برطانیہ عظمیٰ کے سیاسی و فوجی اقتدار کو جو مسلسل کامیابی و کامرانی اور جنگوں میں جو پیہم فتح و نصرت نصیب ہوئی ہے اس کی وجہ سے نیز (برطانیہ عظمیٰ) کی منصفانہ، دانشمندانہ اور اعتدال پسندانہ پالیسی کی بدولت ہندوستان اور دکن کے وسیع علاقے برطانیہ عظمیٰ کے تحت اور انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر حکومت آگئے ہیں اور حالات کے ساتھ ساتھ ایک منضبط سلطنت قائم ہو گئی ہے جو متعدد آباد اور زرخیز صوبوں پر مشتمل ہے جہاں مختلف قومیں آباد ہیں جن کے مذہب، جن کی زبان نیز جن کے عادات و اطوار ایک دوسرے سے مختلف ہیں ان سب پر الگ الگ مختلف آئین و ضوابط اور مختلف رسوم کے مطابق اب تک حکومت کی جاتی رہی ہے برطانوی قوم کے مقدس فرض، ان کے حقیقی مفاد، ان کی عزت اور ان کی حکمت عملی کا اب یہ تقاضا ہے کہ ہندوستان کی برطانوی سلطنت کے حدود میں عمدہ عمل داری قائم کرنے کے مناسب اقدام کیے جائیں۔"

اسی دیباچہ میں آگے کہتا ہے:-

"اس لیے آنریبل انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی کی ہندوستانی عمل داری کے اعلیٰ عہدے داروں میں اپنا اپنا فرض منصبی خوبی سے انجام دینے کی قابلیت ہونی چاہیے۔ انھیں ادب اور سائنس کے عمومی اصولوں سے واقف ہونا چاہیے۔ ہندوستان اور دکن کی مختلف زبانوں اور جس علاقے میں ان کا تقرر ہو وہاں کے آئین اور رسم و رواج کے ساتھ ساتھ برطانیہ عظمیٰ کے آئین اور انتظام سلطنت کے ضوابط کی بھی اچھی واقفیت ہونی چاہیے اور چوں کہ آنریبل انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی کی سول سروس میں شامل ہونے والے افراد یورپی تعلیم نا وقت ختم کر کے ہندوستان چلے آتے ہیں اس لیے ادب اور سائنس کے عمومی اصولوں سے کافی واقفیت اور برطانیہ عظمیٰ کے آئین، انتظامیہ اور قانون کے تسلی بخش مطالعہ کا موقع نہیں ملتا اور چوں کہ ہندوستانی سول سروس کے اہم اور وقت طلب فرائض، مثلاً سرکاری معائنہ اور جونیئر عہدے داروں کی رہنمائی کی اس وقت تک صحیح طور پر تکمیل نہیں ہو سکتی جب تک کہ ان فرائض کی ادائیگی کے اصولوں کو ہندوستان میں قیام کے دوران باقاعدہ تربیتی عمل کے ذریعہ نہ سکھایا جائے۔ لیکن ہندوستان میں ایسا کوئی عوامی ادارہ نہیں ہے جس میں آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کے نوجوان جونیئر عہدے داروں کو اعلیٰ اور بیشتر طلب عہدوں پر تقرری کی قابلیت حاصل کرنے کی تربیت دی جا سکے اور ان چھوٹے عہدہ داروں کی عمومی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام ہو سکے نیز ہندوستان میں ورود پر ان کے کردار کی دیکھ بھال کی جا سکے اور ان میں مشقت و محنت اور راست بازی کی عادت پیدا کی جا سکے نیز ان میں مذہب کے متعین کردہ اصولوں پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دی جا سکے تاکہ یہ مناسب تعلیم کے ذریعہ ہندوستان میں انگریزوں کی کامرانی کے جھنڈے لہرا

اس لیے رچرڈ مارکوئیس اوف ویلزلی؛ جلاس گورنر جنرل نے عمدہ عمل داری قائم کرنے اور ہندستان میں دولت برطانیہ کو مضبوط کرنے اور آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کے مفادات اور ناموری کی حفاظت کرنے کے لیے ایک ادارہ قائم کیا اور تنظیم، تدریس، اور معاملوں کا انتظام ضروری سمجھ کر مندرجہ ذیل قانون پاس کیا۔

"اس قانون کی رو سے کمپنی کے جونیر سول عہدیداروں کو ایسٹ انڈیز میں برطانوی نظام حکومت کے مختلف عہدوں پر تقرری کی قابلیت اور ادب، سائنس اور دوسرے علوم کے ضروری شعبوں کی مناسب واقفیت بہم پہنچانے کے لیے بنگال کے فورٹ ولیم میں ایک کالج قائم کیا جاتا ہے۔"

ان مقاصد کے تحت صحیح معنوں میں انگریزوں کی فتح مندی اور ہماری شکست کی علامت بنا کر ٹیپو سلطان کی شکست اور شہادت کے چودہ ماہ بعد ۱۰ جولائی ۱۸۰۰ء مطابق ۱۴ ساون ۱۸۵۷ سمبت اور ۱۷ صفر ۱۲۱۵ھ کو گورنر جنرل مارکوئیس اوف ویلزلی نے فورٹ ولیم کالج کی باضابطہ داغ بیل ڈالی۔ اسی تاریخ یعنی ۱۰ جولائی کو گورنر جنرل کی کونسل نے کالج کے آئین و ضوابط کا مسودہ منظور کر کے کالج کے وجود کو قانونی شکل دی۔ اس دستاویز کی پیشانی کی عبارت سے ہماری معلومات میں یہ اضافہ ہوتا ہے کہ:-

"ہز لارڈ شپ (ویلزلی) کے حکم خاص سے اس (دستاویز) پر ۴ مئی ۱۸۰۰ء کی تاریخ ڈالی گئی جو میسور کے دار السلطنت سرنگا پٹم میں برطانوی افواج کی شاندار اور فیصلہ کن فتح کی پہلی سالگرہ کی تاریخ تھی۔"

مذہبی پہلو

اس ادارے کے قیام کے پیچھے نہ صرف سیاسی بلکہ مذہبی مقاصد بھی تھے۔ پہلا مقصد تو عہدیداروں میں لامذہبیت کا سدّ باب تھا لیکن دوسرا بڑا اور حقیقی مقصد ہندستانیوں کو سیاست کے ساتھ ساتھ مذہبی میدان میں بھی شکست دینا تھا۔ یہ ادارہ درحقیقت انگریزی مشنری کوششوں اور سرکاری مقاصد کے درمیان سنگم کا کام کرتا ہے۔ لارڈ ویلزلی خود بھی بہت مذہبی آدمی تھا HUTTON اس بارے میں کہتا ہے کہ لارڈ ویلزلی ہندستان کا پہلا حکمراں تھا جس کا ہر قدم قطعی مسیحی راہ پر اٹھا کرتا تھا۔ اس کی دلچسپیاں صرف ذہنی نہیں تھیں ..... اس نے عیسائیت کی تبلیغ کی واضح کوششیں کیں" کمپنی کے ڈائرکٹر بھی مذہب پر پوری توجہ دیتے تھے۔ اس طرح سے اس ادارے میں مذہب کو خاصی تقویت حاصل تھی۔

(باقی آئندہ)

ہماری زبان سے خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور تحریر کیجیے

بزم ادب کوٹہ کے زیر اہتمام مشاعرہ

۱۸ اپریل ۱۹۶۳ء کو بزم ادب کوٹہ (راجستھان) کے زیر اہتمام جناب عرشی اجمیری کے اعزاز میں ایک مشاعرہ ہوا جس کی صدارت کرشن موہن نے کی۔ عرشی صاحب کے علاوہ مختار الرحمن راہی، شاد کوٹوی اور دوسرے مقامی شعرا نے اپنا کلام سنایا۔ مشاعرہ ۲ بجے شب ختم ہوا۔

سستی درسی کتابیں

لوک سبھا میں سوالات کے وقفہ کے دوران مرکزی وزیر تعلیم مسٹر ایم سی چھاگلا نے بتایا کہ برطانیہ کے ایک اشاعتی ادارے سے طالب علموں کے لیے سستی درسی کتابیں چھاپنے کا اصولی طور پر ایک معاہدہ ہو گیا ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ حکومت پر اس کے صرفہ کا کوئی بار نہ پڑے گا۔

انجمن ترقی اردو ٹونک کے نئے عہدیدار

۱۲ اپریل ۱۹۶۳ء کو انجمن ترقی اردو ٹونک کا انتخابی جلسہ سید احمد صاحب کی صدارت میں ہوا۔ سابق صدر انجمن جناب حبیب الرحمن کی مختصر تعارفی تقریر کے بعد جس میں اردو کی ترقی کے لیے مخلصانہ کوششیں کی ترغیب دی گئی تھی اور مقامی فن کاروں کو اپنے فن کے مظاہرے کے لیے علاقہ گیر پیمانہ پر کام کرنے کے لیے کہا گیا تھا۔ نئے عہدیداروں کا انتخاب عمل میں آیا۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

صدر، حبیب الرحمن صاحب ایڈوکیٹ۔ نائب صدر (۱) سیٹھ اتم چند جین (۲) عبد القادر خنداں۔ جنرل سکریٹری منظور الحسن برکاتی، اسسٹنٹ سکریٹری سید علی۔ خازن منشی حبیب الرحمن۔

یہ بھی طے کیا گیا کہ گیارہ افراد پر مشتمل ایک مجلس عاملہ بنائی جائے جس کا انتخاب صدر کریں گے۔

"یوم ٹیپو" کے سلسلے میں مشاعرہ

۱۰ اپریل کو "یوم ٹیپو" کے سلسلے میں انجمن ذوق ادب بنگلور نے ایک مشاعرہ منعقد کیا جس کی صدارت عبد القادر صاحب اسسٹنٹ کمشنر اوقاف اضلاع بنگلور و کولار نے کی۔ مشاعرہ نہایت کامیاب رہا اور سامعین ۲ بجے شب تک شعرا کے رنگا رنگی کلام سے محظوظ ہوتے رہے۔ اس موقع پر یہ بھی طے کیا گیا کہ ۲۵ اپریل کو عید ملاپ کے سلسلے میں بھی ایک مشاعرہ منعقد کیا جائے۔

کشمیر سے ماہنامہ "سرتاج" کا اجرا

آیندہ مئی سے بارہ مولہ (کشمیر) سے اردو کا ایک ماہنامہ "سرتاج" جاری ہو رہا ہے۔ اس کے ایک شمارہ کی قیمت ۲۵ پیسے ہوگی اور زر سالانہ بشمول ایک خاص نمبر ۲٫۵۰ روپے ہوگا۔

غزلیں

طالب بیچپوری

حقیقت اپنی بس اتنی ہی جانتا ہوں میں — جو مٹ ہوا نہ کبھی ہے وہ درد جاتا ہوں میں
علاوہ ہوش رہا ہے جو چشم مے گوں سے — کوئی یہ کہہ سکے پھر بھی کہ پیتا ہوں میں
وہ جان گل ہی سہی پھر بھی ہے خطر جاناں — نہ پوچھیے جو مزا اس میں پا رہا ہوں میں
نگار غنچہ جاں میں تو خونچکاں آنکھیں — ہوا یہ حال مگر پھر بھی بے وفا ہوں میں
بذکر عشق نہ دل، نہ فضول ذکر زنی — شکستہ ساز ہوں مگر ایک نغمہ سا ہوں میں
ہمی ہجوم حقیقت مگر تو کیا حاصل — زباں پہ لا نہیں سکتا جو دیکھتا ہوں میں

ابھی سے دل کی تباہی کا ذکر کیا طالب
ابھی تو چشم کرم کو ترس رہا ہوں میں

آزاد گلاٹی

جو رہگزر زیست پہ معدوم رہے ہیں
وہ نقش قدم زیست کا مفہوم رہے ہیں
اے ذوق خودی! تیرا کرم ہے کہ ستارے
اک ذرۂ خاکی کے قدم چوم رہے ہیں
وہ لوگ حقیقت کا نشاں پا نہ سکیں گے
جو عقل کے محور پہ ابھی گھوم رہے ہیں
پھبتی ہے بہت آپ کی نااہل نوازی
ہم آپ کی محفل میں بھی محروم رہے ہیں
ان ہی سے مری عظمت ہستی ہے منور
جو داغ ترے نام سے موسوم رہے ہیں
مجھے آپ کی محفل میں وہی رونق محفل
جو آپ کے الطاف سے محروم رہے ہیں
کچھ لوگ گنہ گار و سیہ کار تھے آزاد
پھر بھی مری نظروں میں وہ معصوم رہے ہیں

نازش انصاری

دنیا کے تماشے کو کیوں تھا میں تماشائی
زنجیر زمانے نے اس بات پہ پہنائی
اے اہل چمن اب تک یہ راز نہ کھل پایا
کیوں گریۂ شبنم پہ پھولوں کو ہنسی آئی
اصنام تصور کے کتنے ہی تراشے دل
کٹتی نہیں شام غم مٹتی نہیں تنہائی
وحشت نہ سہی لے دل لیکن اسے کیا کہیے
جس بات پہ رونا تھا اس پر ہی ہنسی آئی
دنیائے محبت کی دنیا ہی نرالی ہے
جو چیز نظر آئی بیگانہ نظر آئی
ہاں آج مجھے نازش یوں اس نے پکارا تھا
کچھ دور فضاؤں میں جیسے بجے شہنائی

امروہہ میں رفع انتشار و قیام اتحاد باہمی

بخدمت جناب آنند نرائن ملا صاحب صدر انجمن ترقی اردو صوبہ یوپی لکھنؤ

جناب والا۔ انجمن ترقی اردو اترپردیش کے صوبائی اجلاس منعقدہ ۹؍مارچ سنہ۱۹۶۴ء سینٹرل پوسٹل لکھنؤ میں ایجنڈے کے مطابق امروہہ میں غیر آئینی متوازی انجمن ترقی اردو کے قیام کا مسئلہ زیر بحث آیا تھا۔ جس میں اجلاس مذکور جدید انجمن کے قیام کو غیر قانونی قرار دیا اور یہ طے کیا کہ شاخ قدیم و جدید کے ارکان میں مصالحت کرا دی جائے۔

اس کار نیک کی انجام دہی کے لیے راقم الحروف کو تجویز کیا گیا اور دو ماہ کا وقت دیا گیا اور مجھے رپورٹ پیش کرنے کی ہدایت کی گئی۔

نیاز مند نے دونوں گروپ کے ذمہ دار اصحاب سے بات چیت کی اور کئی جلسے طلب کیے نتیجۃً ۶؍اپریل سنہ۱۹۶۴ء کو خوشگوار فضاؤں میں دونوں جماعتوں میں باہمی سمجھوتہ ہو گیا اور تعلقات بحال ہو گئے تجویز اتحاد پر دونوں طرف کے ذمہ دار حضرات کے دستخط ثبت کرا لیے گئے ہیں۔ اس کارگزاری کے ذیل میں تمام کاغذی ریکارڈ احقر کے پاس محفوظ ہے جس کو بہ وقت پیش کیا جا سکے گا۔

میں جناب والا کو خصوصی اور مجلس عاملہ انجمن ترقی اردو اتر پردیش کو عمومی طور پر مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ آپ کے اخلاص اور حسن تدبیر کے باعث یہ کام حسب دلخواہ انجام پذیر ہو گیا۔ بطور رپورٹ تحریر ہذا پیش خدمت ہے۔

(نیاز مند ڈاکٹر محمد احسان حسین)

ساہتیہ اکیڈمی کی طرف سے کتابوں کی نمائش

نئی دہلی۔ ۱۶؍اپریل۔ آج پارلیمنٹ ہاؤس میں ساہتیہ اکیڈمی کی طرف سے ہندوستان کی مختلف زبانوں کے ممتاز ادیبوں کی تین سو سے زیادہ کتابوں کی نمائش ہوئی۔ یہ نمائش اکیڈمی کی دسویں سالگرہ منانے کے لیے کی گئی تھی۔ ایک ادیب نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ اس نمائش کا مقصد لوگوں کو یہ بتانا ہے کہ ساہتیہ اکیڈمی نے ہندوستان کی مختلف زبانوں کی نمائندہ تصانیف کے ترجمہ و طباعت کا کام کر کے اسے بھانت بھانت کی بولیوں اور رسم خط والے ملک کے ادبی مشاغل میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے اور مختلف زبانوں کو سمجھنے اور پڑھنے کا شوق پیدا کرنے کے لیے کیا کیا کوششیں کی ہیں۔

مکتوب تاشقند

کرمی سرور صاحب تسلیم

آپ کی ہدایت کے موجب پچھلے خط میں میں نے وعدہ کیا تھا کہ آیندہ تاشقند کے کتب خانوں کے بارے میں کچھ لکھوں گا۔ اس دوران پھر پامیر جوگیا اور تیان شان پہاڑوں کے دامن میں واقع ایک سینی ٹوریم میں تقریباً ایک ماہ گزار کر حال ہی میں واپس آیا۔ اب صحت نسبتاً بہتر ہے۔ معمولاً کام کر رہا ہوں اور جب بھی فرصت میسر ہوتی ہے یہاں کے کتب خانوں میں کچھ وقت گزارتا ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہاں کے کتب خانوں خصوصاً نوائی نام کے کتب خانے اور میل آسٹی ٹیوٹ کے کتب خانے اور وسط ایشیائی مذہبی بورڈ کے کتب خانے میں قدیم اور نادر و نایاب مخطوطات کا ایک بڑا ذخیرہ ہے۔ اتنا بڑا کہ اسے دیکھنے کے لیے عمریں درکار ہیں۔ میں ان کتب خانوں میں صرف ہندوستان کی تاریخ، تہذیب، تمدن اور شعر و ادب سے متعلق کتابوں اور قلمی نسخوں کو دیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

اس سلسلہ میں اردو شعرا کا بھی کچھ کلام دستیاب ہو رہا ہے۔ نیاز سرہندی ثم بریلوی کے دیوان کے بعد اردو کی ایک قدیم مثنوی اور فارسی نسخوں میں اردو کے کچھ متفرق اشعار ملے ہیں۔ مثنوی کا موضوع معراج رسول ہے۔ مصنف کا نام ابھی تک دریافت نہ ہو سکا۔ لسانی خصوصیات کے اعتبار سے یہ عہد میر کی یا اس سے پہلے کی تصنیف معلوم ہوتی ہے۔ بہر حال اردو اشعار کے بارے میں کچھ مزید تحقیق کر کے بعد میں آپ کو تفصیلی لکھوں گا۔ فی الحال میں صرف اورئینٹل انسٹی ٹیوٹ میں دستیاب ہونے والے فارسی مخطوطات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ دوسرے کتب خانوں کے بارے میں آیندہ خط میں لکھوں گا۔ یہ عرض کر چکا ہوں کہ صرف ان ہی نسخوں کا ذکر کروں گا جو ہندوستان کی تاریخ یا ہندی شعرائے فارسی سے تعلق رکھتے ہیں۔ پہلے شاعری کو لیجیے۔

امیر خسرو۔ امیر خسرو کے دواوین اور خمسہ کے تقریباً دس قلمی نسخے ہیں۔ ایک نہایت دیدہ زیب مطلا و مذہب نسخہ ۱۳۴۹ء کا نقل کیا ہوا ہے اور ۴۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسرے مکمل نسخے سولھویں صدی کے نقل کیے ہوئے ہیں۔ خمسہ کا ایک نسخہ بے مثل ہے۔ اس میں سکندر نامہ، خسرو شیریں اور ہشت بہشت حافظ شیرازی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی مثنویاں ہیں۔ سکندر نامہ کے آخر میں لکھا ہے۔

"کتبہ الفقیر اضعف خلق اللہ تعالیٰ محمد بن محمد بن محمد
الملقب بشمس الحافظ الشیرازی في العاشر الرابع و العشرین
صفر ختم بالخیر و الظفر سنة ست و خمسین و سبعمائہ
الحمد للہ الذی ہدینا لہذا و سلم تسلیماً کثیراً"

اس کے علاوہ عبدالرحمن جامی نے امیر خسرو کے کلام کی جو شرح لکھی تھی اس کا بھی ایک نسخہ موجود ہے جسے سنہ ۱۶۲۳ء میں عبداللہ شیرازی نے نقل کیا تھا۔

سراج الدین علی خان آرزو۔ آرزو کے دیوان کے دو قلمی نسخے ہیں۔ ایک ۱۸۳۵ء کا نقل کیا ہوا ہے اور ۴۳۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ دونوں خط شکست میں ہیں۔

حسن دہلوی۔ خواجہ حسن دہلوی کے دیوان کا نسخہ خط نستعلیق میں ۱۸۵۱ء میں نقل کیا گیا۔ صفحات ۱۰۰

دیوان فیضی بن شیخ مبارک۔ فیضی کے دیوان کے دو نسخے ہیں۔ ایک ۱۸۰۶ء کا اور دوسرا غالباً انیسویں صدی کے آخر کا لکھا ہوا ہے۔ دونوں کے صفحات تقریباً سو ہیں۔

فیضی کی مثنوی "نل و دمن" کا ایک قدیم نسخہ بھی ہے۔ یہ چار چار کالموں میں صاف نستعلیق میں سنہ ۱۹۱۲ء میں نقل کیا گیا۔ صفحات ۴۵۔

غنی کشمیری۔ محمد طاہر غنی کشمیری کے دیوان کے پانچ نسخے ہیں۔ ایک ہم رنگی گلابی رنگ کے کاغذ پر مطلا و مذہب نسخہ ہے۔ اس میں جامی کا ایک مقدمہ بھی ہے۔ صفحات ۹۰۔ دیگر چاروں نسخے وسط ایشیا کے نقل کیے ہوئے ہیں۔

اسمٰعیل کشمیری بینش۔ بینش کے دیوان کے دو نسخے ہیں۔ دونوں انیسویں صدی میں صاف نستعلیق میں لکھے گئے۔ ایک ۷۷ اور ۱۰۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ موخر الذکر مطلا اور آراستہ ہے۔

موسوی خان فطرت۔ میر معز الدین محمد موسوی خان فطرت کے فارسی دیوان کا یہ نسخہ سنہ ۱۹۰۶ء میں خوارزم میں نقل کیا گیا۔ صفحات ۳۹۔

ناصر علی سرہندی۔ ان کے دیوان کے پانچ نسخے ہیں۔ ان میں سے دو اٹھارھویں صدی میں اور باقی انیسویں صدی میں نقل کیے گئے۔ علی سترھویں صدی کے شاعر ہیں۔ دکن کی سیر و سیاحت کے بعد دہلی میں آ کر بس گئے تھے۔ صوفی تھے۔ ان کی ایک صوفیانہ مثنوی کے بھی دو نسخے ہیں۔ ایک سنہ ۱۸۱۲ء میں اور دوسرا ۱۸۶۶ء میں ہندوستان میں نقل کیا گیا۔ صفحات ۱۲۰۔ اس کے علاوہ علی کی ایک مثنوی "ساغر کش نطفہ زلی" کا ایک نہایت خوبصورت مطلا و مذہب نسخہ بھی ہے جو ۱۸۵۶ء میں لکھا گیا۔ صفحات ۴۷۔

بیدل۔ بیدل کے کلیات، دواوین، مثنویات اور رباعیات کے کل اکتالیس نسخے ہیں۔ ان میں سے کچھ بے حد خوبصورت رنگین مطلا اور آراستہ ہیں۔ کچھ قدیم نسخے ہندوستان کے ہیں اور کچھ وسط ایشیا میں نقل کیے گئے ہیں۔ ان کی تفصیل کہاں تک لکھوں۔ اب کچھ تاریخی کتب کے بارے میں عرض کرتا ہوں۔

طبقات اکبر شاہی۔ تاریخ نظامی کا یہ نسخہ ۱۶۱۷ء میں غالباً ہندوستان میں لکھا گیا۔ صفحات ۷۵۲۔

منتخب التواریخ۔ عبدالقادر بدایونی کی تاریخ کا یہ نسخہ ۴۶۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اٹھارھویں صدی کے آخر میں نقل کیا گیا۔

تاریخ فرشتہ۔ یہ نسخہ دو جلدوں میں بخارا میں انیسویں صدی کے آخر میں نقل کیا گیا۔

خیوا کے خان محمد رحیم ثانی کے حکم پر دام اللہ عطا اللہ آخوند

نے ۱۸۳۵ء میں انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ کیا تھا۔ مترجم کے بھی دو نسخے ہیں۔ ایک ۴۶۵ اور دوسرا ۲۷۱ صفحات پر مشتمل ہے۔

خلاصۃ التواریخ ۔ سبحان رائے منشی کی تاریخ کا یہ نسخہ ۱۸۰۳ء میں ہندوستان میں نقل کیا گیا۔ صفحات ۴۳۵

اکبر نامہ ۔ ابوالفضل کی تاریخ کا یہ مکمل نسخہ واضح نستعلیق میں سترھویں صدی میں لکھا گیا۔ چمڑے کی خوبصورت جلد ہے۔ صفحات ۲۰۲

جہانگیر نامہ ۔ تزک جہانگیری کا یہ نسخہ ۱۷۶۵ء کا نقل کیا ہوا ہے۔ صفحات ۶۶

اقبال نامۂ جہانگیری ۔ محمد شریف معتمد خاں کی تاریخ کا یہ نسخہ ۱۷۶۷ء کا لکھا ہوا ہے۔ صفحات ۲۰۲

شاہجہاں نامہ ۔ عبدالحمید لاہوری کی تاریخ کا یہ نسخہ انیسویں صدی کا نقل کیا ہوا ہے۔ صفحات ۲۹۰

ہمایوں نامہ ۔ ایک مکمل نسخہ ۱۸۶۲ء کا نقل کیا ہوا ہے۔

علی شیر نوائی اور دوسرے کتب خانوں کے بارے میں آئندہ خط میں کچھ عرض کروں گا۔

"ہماری زبان" مل رہا ہے۔ یہاں کے اساتذہ اور طلبہ بھی اسے شوق سے پڑھتے ہیں لیکن ان کی اس شکایت میں میں بھی شریک ہوں کہ "ہماری زبان" کچھ خشک ہوتا جا رہا ہے۔ اچھا ہو اگر خبروں کے بجائے کچھ ہلکے پھلکے مضامین، خطوط اور ادیبوں کے مطالبات شائع کریں۔ نظم کا ایک صفحہ دیجیے اور سیر بین کا اضافہ کیجیے۔

انجمن اور شعبہ کے تمام بزرگوں اور دوستوں کو سلام عرض ہے۔

نیازمند قمر رئیس

۹۰ ہزار انگریزی اصطلاحات کا اردو ترجمہ

کراچی ۱۰ اپریل۔ کراچی یونیورسٹی کا شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ اب تک ۹۰ ہزار انگریزی اصطلاحات کا اردو میں ترجمہ کر چکا ہے۔ یہ اصطلاحات مختلف مضامین کی لغات کی شکل میں عنقریب شائع کر دی جائیں گی۔ شعبہ کے سربراہ میجر آفتاب حسن نے بتایا کہ یہ کام ۱۳ سب کمیٹیوں کی نگرانی میں ہو رہا ہے۔ ان کمیٹیوں میں ممتاز ماہرین تعلیم، یونیورسٹیوں اور اسکولوں کے اساتذہ بھی شامل ہیں۔ انھوں نے مزید بتایا کہ آئندہ دو سال میں انگریزی کی کم از کم دو لاکھ اصطلاحات کو اردو میں منتقل کیا جائے گا۔

استفسار

اردو اخبار "ہماری زبان" اور ناظرین اخبار "ہماری زبان" کی خدمت میں گزارش ہے کہ مندرجہ ذیل اشعار کے مصنفوں کے اسمائے گرامی سے مطلع فرما کر ممنون کرم فرمائیں۔ شکریہ۔

طالب سچے پوری

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ ای | باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

محراب حرم سمجھے نہ جانے طاق بتخانہ | جہاں دیکھی تجلی ہو گیا قربان پروانہ

بیٹھے بٹھائے مفت کے صدمے اٹھائے کون | دل دے کے اپنی جان کا دشمن بنائے کون

انجمن ترقی اردو باسنی ناگور کا سالانہ جلسہ

۱۹ اپریل کو جناب سلیمان حسین منڈل کی صدارت میں انجمن ترقی اردو باسنی کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا۔ گذشتہ تین سال میں اردو کی ترقی کے لیے جو کام ہوا تھا اس کی تفصیلی رپورٹ پڑھ کر سنائی گئی۔ صدر نے اردو دوستوں کو اردو کی ترقی کے لیے خلوص اور امداد باہمی کے اصول پر کام کرنے کا مشورہ دیا۔ اس کے بعد سرپرست بورڈ اور مجلس منتظمہ کا انتخاب ہوا۔ ممبران کے نام حسب ذیل ہیں۔

سرپرست بورڈ ۔ (۱) ابو نصیر الدین پوکھالے (۲) حاجی محمد چودھری (۳) محمد سلیمان منڈل (۴) حاجی محمد ابراہیم (۵) محمد ابراہیم عبداللطیف منڈل اور (۶) انور عبدالحکیم بانگی۔

مجلس منتظمہ ۔ صدر ۔ غلام مصطفےٰ حسن۔ نائب صدر ۔ شفاق احمد علی اور غلام مصطفےٰ حاجی محمد۔ جنرل سکریٹری ۔ عبدالرحمن شاہ جی۔ اسسٹنٹ سکریٹری ۔ غلام مصطفےٰ۔ پروپیگنڈہ سکریٹری ۔ عبدالغفار کمہاروی۔ جوائنٹ سکریٹری اور خازن کا انتخاب بعد میں ہوگا۔

مراسلات

اصلاح غزلیات مندرجہ نوادر اقبال

علامہ اقبال کی مندرجہ ذیل ابتدائی غزلوں کے بعض اشعار نوادر اقبال مرتبہ مولوی عبدالغفار شکیل صاحب میں غلط چھپے ہیں ناظرین نوادر اقبال درست فرمالیں۔

غزل (ص ۲۷)

غلط	تصحیح
کیا مزا بلبل کو شکوۂ بیداد کا	کیا مزا بلبل کو آیا شیوۂ بیداد کا
ڈھونڈتی پھرتی ہے اڑ کر جو گھر صیاد کا	.. ..

غزل (ص ۲۸)

غلط	تصحیح
(۱) کوچۂ یار میں ساتھ اپنے بلایا ان کو	کوچۂ یار میں ساتھ اپنے سلایا ان کو
بخت خفتہ کو مرے پاؤں دعا دیتے ہیں	.. ..
(۲) موت بازار میں بکتی ہے تو لا دو مجھ کو	.. ..
ہم نشیں کس کے لیے جینے کی دعا دیتے ہیں	ہم نشیں کس لیے جینے کی دعا دیتے ہیں
(۳) ایسی ذلت ہے مرے واسطے عزت کے سوا	(ایسی ذلت ہے مرے واسطے عزت کے سوا)
خود جو اٹھ کر مجھے محفل سے اٹھا دیتے ہیں	.. ..

غزل (ص ۲۹)

غلط	تصحیح
(۱) آب تیغ یار نے تھوڑا سا لا کر رکھ دیا	آب تیغ یار تھوڑا سا لا کے رکھ دیا
باغ جنت میں خدا نے آب کوثر رکھ دیا	.. ..
(۲) ہو نہ جائے پردۂ الفت عیاں تیرے نقاب	ہو نہ جائے پردۂ الفت عیاں تیرا نقاب
تو نے گر اس کو اٹھا کر روز محشر رکھ دیا	.. ..
(۳) قصہ خوان یار کو بھیجا ہے لکھ کر حال دل	قصہ خوان یار کو بھیجا ہے لکھ کر حال دل
ہاتھ میں قاصد کے میں نے ایک دفتر رکھ دیا	.. ..

غزل (ص ۳۷)

غلط	تصحیح
(۱) اس پوچھا یہ کون چھپتا ہے	اس نے پوچھا یہ کون چھپتا ہے
ہم چھپے آشکار ہونے کو	.. ..
(۲) ہم نے اقبال عشق بازی کی	.. ..
مے یہ پی ہوشیار ہونے کو	پی یہ مے ہوشیار ہونے کو

غزل (ص ۳۸)

غلط	تصحیح
دیکھنا زوال امتیاز شمع و پروانہ کر	دیکھنا زوال امتیاز شمع و پروانہ کر
حسن بن کر عشق اپنا آپ سودائی ہوا	.. ..

غزل (ص ۳۹)

غلط	تصحیح
جفا جو کہہ دیا میں نے اگر تم نے برا جانا	جفا جو کہہ دیا میں نے اگر تم نے برا مانا
خفا کیوں ہو گئے یہ عاشقوں کی بولی ٹھولی	.. ..

غزل (ص ۴۳) اور (ص ۴۶)

غلط	تصحیح
(۱) یاد تھا موسیٰ نے آ کر بندۂ اللہ کو	.. ..
درد والوں ہی مٹا ہو نشان اہل درد	درد والوں ہی کو مٹا ہو نشان اہل درد
(۲) دار پر چڑھنا نہ تھا معراج تھا منصور کا	دار پر چڑھنا نہ تھا معراج تھا منصور کا

قص ... سوالی در حقیقت بود یا بلبل بود .. ..

غزل (ص ۴۸)

غلط	تصحیح
بنا میں چارہ گر نے دیدۂ حیراں کی تحریر کیا	.. ..
نظر آتا مری وحشت میں بیتابی بیاں کب ہے	نظر آتا مری وحشت میں بیتابی کا ساماں کب ہے
جرس ہوں نالۂ خوابیدہ ہے ہر رگ و پے میں	جرس ہوں میں صدا خوابیدہ ہے ہر رگ و پے میں
یہ خاموشی مری آخر رحیل کاروان کب ہے	.. ..

غزل (ص ۵۰)

غلط	تصحیح
ذرا سا تو دل ہوں مگر شوخ کتنا	ذرا سا تو دل ہوں مگر شوخ اتنا
وہی لن ترانی سنا چاہتا ہوں	.. ..

غزل (ص ۶۳)

غلط	تصحیح
(۱) خودی کی حفاظت کوئی تجھ سے سیکھے	(۱) خودی کی حفاظت کوئی مجھ سے سیکھے
غریبی میں نازاں ہیں خسروانہ	.. ..
(۲) فرنگی کی دنیا فسوں ساحری کا	(۲) .. ..
(۱) دلبرانہ عمل شاطرانہ	(۱) دلبرانہ عمل ساحرانہ

(محمد بشیر الحق دسنوی عظیم آبادی)

ایک گلدستہ

میرے یہاں "معینی کتب خانہ" میں ... سائز کا ۲۰ صفحات پر مشتمل ہے ایک "گلدستہ" موجود ہے۔ اس کا سرورق غائب ہے اور اس کے مطالعہ سے یہ پتا نہیں چلتا کہ اس رسالہ کا نام کیا ہے؟ دیگر تفصیلات درج ذیل ہیں۔

صفحہ نمبر (۱) پر جلی حروف میں مندرجہ ذیل عبارت درج ہے۔

مصرع طرح بابت ماہ مارچ ...ء

اس کے نیچے یہ مصرع طرح درج ہے۔

استاد ہو گئے ہو تیر افگنی کے فن میں

پھر شریک گلدستہ شعرا کی طرحی غزلیات درج ہیں۔ ہر شاعر کا نام۔ غزل کا پہلا اور آخری شعر اور تعداد اشعار درج ہے۔

امیر۔ جناب منشی امیر احمد صاحب مینائی لکھنوی

سمجھا یہ میں جو نکلے شاخ سے گل چمن میں	صوفی نکل کے بیٹھے خلوت سے انجمن میں
پامال رفتہ کب ہے عمر اے امیر ناحق	چھوڑے ہوئے سفر کے ل جائیں گے وطن میں

تعداد اشعار (۱۱) ہے

آرزو۔ جناب سید انور حسین صاحب خلف اصغر جناب یاس تلمیذ حضرت جلال لکھنوی

دل گھر گیا ہے اپنا داغ غم و محن میں	گل نا امیدیوں کے پھولے ہیں اس چمن میں
اے آرزو وفا میں ہم آپ بس تاب ہیں	منہ سے نکل گئی تھی اک بات بانکپن میں

تعداد اشعار (۸) ہے

اصغر۔ جناب منشی اصغر حسین صاحب متخلص بہ اصغر شاگرد جناب پیارے صاحب رشید نبیرۂ جناب میر انیس لکھنوی

صل علیٰ کا ہر دم اک شور ہے سخن میں	عاقل ہیں یاں زباں کو کیا کیا مزے دہن میں

تعریف کیا ہو اے قمر محبوب کبریا کی   جو کچھ کہو وہ کم ہے اوصاف شہ زمن میں

تعداد اشعار (۹) ہے

ثابت۔ جناب سید محمد تقی صاحب شاگرد جناب اسیر مرحوم

قبضے کا حوصلہ کر بیٹھے جو وہ میدان میں   رخ پھیر کے سپاہیوں نے دی جان انجمن میں

دولت بھی رام ہو گی فضل خدا سے ثابت   جل تو بھی کسی دن تو دیر برہمن میں

تعداد اشعار (۱۰) ہے

قمر۔ جناب مرزا محمد مہدی علی خاں صاحب قمر لکھنوی

داغ جگر پہ بیٹھے ہیں عیش گھر بار میں   غلام بن گیا ہے بلبل ہر یک چمن میں

جس کو وہ بے مروت چشم وفا سے دیکھے   اپنے نصیب کس کے ایسے ہیں انجمن میں

تعداد اشعار (۸) ہے

جلال۔ حکیم میر ضامن علی صاحب جلال لکھنوی

کیا کیا مزے لیے ہیں ساقی کے انجمن میں   ساغر نے موج مے کے لے کر زباں دہن میں

رونا ہے عشق شبنم والے جلال ہر دم   دم بھر جو صورت گل ہنستا ہے اس چمن میں

تعداد اشعار (۱۱) ہے

تقدیر۔ جناب سید مہدی حسن صاحب برادر زادہ جناب سید میرزا صاحب تعشق مرحوم و نبیرۂ میر انیس صاحب مغفور

ہر چند بے قفس میں پر جان ہے چمن میں   پھولوں کی بو بسی ہے بلبل کے پیرہن میں

اہل عدم بھی دیکھیں تا مرگ کو نہ غم ہو   دنیا بری جگہ ہے کچھ دو مرے کفن میں

تعداد اشعار (۱۰) ہے

حسین۔ جناب منشی حسین الدین صاحب کسمنڈوی تھانہ دار رائے بریلی شاگرد حضرت مضطر خیرآبادی

دل بے طرح پھنسے ہیں گیسوئے پرشکن میں   شبدیز بندھے ہوئے ہیں کتنے ہی اک رسن میں

پیہاں سے چشم و دل میں جن دوستوں کی جا تھی   قسمت نے ان کو پھینکا ہاں آج ان بن میں

تعداد اشعار (۸) ہے

حسام۔ جناب منشی حسام حسین صاحب کسمنڈوی شاگرد حضرت یوسف لکھنوی

اس ماہ وش نے جس دم بکھرائی زلف رخ پر   گذرا گماں یہ سب کو چاند آگیا گہن میں

آنکھوں سے میرے جو بہ گھبرا کے شام فرقت   بے شک حسام تو بھی کامل ہے اپنے فن میں

تعداد اشعار (۷) ہے

داغ۔ جناب نواب مرزا خاں صاحب دہلوی

مطلب کی جو ادا ہے پنہاں سخن سخن میں   سچ ہے کہ داغ ہر فن یکتا ہے اپنے فن میں

اے داغ ہم وطن کی صحبت تجھے ہے غنیمت   جو دم خوشی سے گذرا یاران ہم وطن میں

تعداد اشعار (۱۱) ہے

شفق۔ جناب منشی لالہ پرشاد صاحب شفق لکھنوی ایڈیٹر انجمن ہند

دی ہے زباں خدا نے جس واسطے ہمیں یاں   کچھ ذکر خیر نکلے کچھ لطف ہو سخن میں

اک رنگ پر زمانہ رہتا نہیں کسی کا   ہر گلستاں شفق تھا اس گنبد کہن میں

تعداد اشعار (۷) ہے

مقتدر۔ جناب لالہ لچھمن پرشاد صاحب لکھنوی

تم خرق بدن میں یکتا ہوا انجمن میں   خال و خط و قد و زلف چشم و لب و دہن میں

لے صد ہزار جس میں گیسو کی تو ناز ہوں میں   بے داغ لالہ ہوں میں گلدستۂ سخن میں

تعداد اشعار (۱۰) ہے

فصاحت۔ جناب سید عباس حسن صاحب خلف جناب سید آغا حسن صاحب امانت مغفور

ہے یار شمع ہوں میں پروانہ انجمن میں   ہر دل جلی کا مردہ جس طرح سے کفن میں

سینہ پہ داغ عصیاں سوز الفت جو ہو کے   پھاہا بنا شہادت آئے کفن میں

تعداد اشعار (۵) ہے

قمر۔ جناب نواب محمد علی خاں صاحب لکھنوی مقیم بنارس شاگرد حضرت اسیر لکھنوی

وہ شعلہ رو جو آیا خلوت سے انجمن میں   سوز و گداز پیدا تھا ہر شمع کے بدن میں

کہتا ہے آسماں یہ جب اس کے منہ پہ چھپتی   ظلمت میں یہ قمر ہے یا چاند ہے گہن میں

تعداد اشعار (۱۱) ہے

کاتب۔ جناب منشی منی لال صاحب تلمیذ حضرت ثاقب لکھنوی

دل کو کیا نشانہ آتے ہی انجمن میں   استاد ہو گئے ہو تیر افگنی کے فن میں

یہ بھی ہے شکر کی جا کہتے تو ہیں وہ اتنا   واللہ کیا لطافت کاتب کے ہے سخن میں

تعداد اشعار (۳) ہے

گریاں۔ جناب حکیم سید حسین صاحب شاگرد جناب خورشید لکھنوی

جس طرح کی نزاکت ہے میرے گلبدن میں   وہ نازکی کہاں ہے نسرین و نسترن میں

گریاں سفر کو نکلو گر قصد آبرو ہے   گوہر کی طرح رہ کر کیا قدر ہو وطن میں

تعداد اشعار (۹) ہے

محشر۔ جناب کاظم حسین صاحب شاگرد حضرت جاوید لکھنوی

آفت کی آگ بھڑکی ہر گل کے پیرہن میں   گلگشت کو جو آیا وہ شعلہ رو چمن میں

قابو نہ اپنے دل پر بے تاب ہے نہ دلبر   کس طرح جائیں محشر گلگشت کو چمن میں

تعداد اشعار (۷) ہے

مجنوں۔ جناب نواب محمد علی حسن خاں عرف منن صاحب نبیرۂ جناب نواب احمد علی خاں صاحب

تو دے سرا ہوں جب سے میں صبح سیمتن میں   چھپتی ہے روح بلبل گل کے بدن میں

بڑھتا ہے مسکرا کے بجلی گرا کے تم بھی   جب بیٹھا مجنوں ہنستے ہیں گل چمن میں

تعداد اشعار (۵) ہے

ناظر۔ جناب منشی ناظر علی صاحب کسمنڈوی شاگرد حضرت یوسف لکھنوی

اشعار میرے تحسین کر کہتے ہیں انجمن میں   یہ ال جلال کو ناگری جو ہے سخن میں

استاد کی بدولت ناظر کی ہے یہ شہرت   جلوہ دکھا رہا ہے ہر شعر سادہ پن میں

تعداد اشعار (۸) ہے

نوازش۔ جناب نواب نوازش الدولہ علی خاں صاحب نبیرۂ جناب نجم الدولہ بہادر

کس وقت انتظیں کی پروا ہے اب   جاتے ہیں آنکھ کے جاتے ہیں

غیروں کا ذکر کرتے ہیں بیٹھے ہیں انجمن   مجھ سے

تعداد اشعار (۸) ہے

ے حاشیہ پر یہ عبارت لکھی ہے: یہ اشعار مصنف موصوف کی ابتدائی شاعری میں کے کہے ہوئے ہیں۔ (۱۲)

ہلالؔ جناب منشی پربھو دیال صاحب شاگرد جناب شفقؔ لکھنوی

اس شوخ کی سی چتون ممکن نہیں ہرن میں — زلف سیہ کا ایسا نافہ کہاں ختن میں
فرقت سے ہلالؔ اس ہجر میں اسی قدر ہے — وال ہے شہرت میں میرا بھی بدن میں

تعداد اشعار (۴) ہے

حضرت یوسفؔ لکھنوی

کیوں کر پھروں نہ آہیں ساقی کی انجمن میں — چھائی ہوئی ہے کیسی کالی گھٹا چمن میں
پہ داغ دل میں یوسفؔ بیٹھا ہوں تخم غم کو — نے کی طرح اگیں گے نالے مرے چمن میں

تعداد اشعار (۱۱) ہے

اس کے بعد بعنوان "غزلیات طرح بابت ماہ فروری ۱۸۹۶ء" جن شعرا کی غزلیات درج ہے۔ ان کا نام، غزل کا پہلا اور آخری شعر اور تعداد اشعار حسب ذیل ہے۔

اسدؔ جناب نواب سلیمان خاں صاحب اسدؔ لکھنوی مقیم بارہ بنکی

حاضر ہیں پیے نذر دل و جان و جگر بھی — کہیے تو کوئی اس میں سے ہے مد نظر بھی
تعویذ چمکتا نہیں چوٹی میں یہ ان کے — نکلا ہے سر شام اسدؔ نجم سحر بھی

تعداد اشعار (۱۱) ہے

شریفؔ جناب منشی شریف الدین صاحب شاگرد جناب عیشؔ لکھنوی

دیکھا ہے مرے ضعف کا کچھ تم نے اثر بھی — لو اڑ نہیں سکتی مرے مرنے کی خبر بھی
بیٹھے ہیں شریفؔ آکے وہ بے زم میں جس دم — میں کیا کہ نہیں رہتی ہی نہیں اپنی خبر بھی

تعداد اشعار (۵) ہے

قمرؔ جناب نواب محمد علی خاں صاحب قمرؔ لکھنوی قصبہ نباہ شاگرد حضرت امیرؔ مرحوم

دل لیتے ہی وہ لے گئے پہلو سے جگر بھی — کیا ہے خبری تھی نہ ہوئی ہم کو خبر بھی
دو دو کی نگاہوں سے چھپ گئے ہو قمرؔ تک — خورشید اکیلا نہیں جو یاس ہے قمر بھی

تعداد اشعار (۱۲) ہے

حاشیہ پر یہ عبارت درج ہے: "مصرع طرح بابت ماہ اپریل ۱۸۹۶ء
"آج اس عالم فانی سے سفر کس کا ہے" (سفر) قافیہ (کس کا ہے) ردیف
مصرع طرح بابت ماہ مئی ۱۸۹۶ء "مُنا ہے غسل صحت ہو چکا صدقے اترتے ہیں"
(اترتے بنفوسے) قافیہ۔ (ہیں) ردیف۔

اگر کوئی صاحب متذکرہ "گلدستے" کے نام؟ اس کے مدیر یا مہتمم کے نام؟ اس کے مقام اشاعت؟ اور اس کے سنہ اجرا پر روشنی ڈالیں تو میں ممنون ہوں گا۔

(سید فضل المتین)

نونگاروں کی ادبی پرورش

حضرت علی کا قول ہے کہ یہ مت دیکھو کہ کون کہتا ہے، یہ دیکھو کہ کیا کہتا ہے۔ بہت ہی بلیغ قول ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ہمارا اچھے سے اچھا اڈیٹر بھی "کیا" کی بجائے "کون" کی طرف دیکھتا ہے۔ اگر بعض تقاضوں کے تحت "کون" کی طرف دیکھنا بھی پڑے تو پہلے "کیا" کی طرف دیکھنا چاہیے۔

اردو میں حشرات الارض کی طرح رسالے پرچے نکلتے ہیں لیکن پھر بھی نونگاروں کی پرورش ایک فوج کی توجہ ہے۔ عدم اشاعت کی شکار ہے۔ رسالے پرچے کے اس دور میں ہر ادیب کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی تحریر بھی رسالے میں چھپے، اس کا نام بھی عوام میں مشہور ہو لیکن جب پہلی دو تین کوششیں غیر مطبوعہ رہ جاتی ہیں تو ایک نونگار ادیب بددل ہو جاتا ہے اور اس کے اندر نومولود ادیب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مر جاتا ہے۔ اسی طرح بہت سے لوگ فطری طور پر شاعر ہوتے ہیں مگر ان کی عروض ناوانی ان کی شاعری کا گلا گھونٹ دیتی ہے۔

ضرورت اس کی ہے کہ نونگاروں کی ادبی پرورش کے لیے ایک الگ ادارہ قائم کیا جائے۔ رسالوں کو چاہیے کہ نونگاروں کے لیے الگ صفحات قائم کریں اور اصلاح و مشورے سے ان کی ادبی پرورش کریں۔ نونگاروں کی حوصلہ افزائی اور ہمت افزائی بہت ضروری ہے۔ اور خاص کر مقامی رسالوں کو چاہیے کہ وہ مقامی نونگاروں و ادیبوں کی تحریریں شایع کریں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک مرکزی رسالے میں شایع ہونے والی کوئی اچھی تحریر دس مقامی رسالوں، اخباروں میں بازمطبوعہ ہو جاتی ہے، حالاں کہ ان دس مقامی رسالوں، اخباروں میں دس مقامی نونگاروں کی تحریریں اشاعت پذیر ہونی چاہئیں۔ بات سوچنے، سمجھنے، غور کرنے کی ہے۔ اور یقیناً عمل کرنے کی بھی۔

(اقبال کرشن)

نوٹ: اس تحریر کو جوں کا توں شایع کرنا ہی بہتر تھا۔ (ادارہ)

قصائد گویاؔ (فقیر محمد خاں) کے دو قلمی نسخے

"ہماری زبان" میں چند ہفتے پیشتر فقیر محمد خاں گویاؔ کے حالات اور ان کے کلام کا کچھ نمونہ شایع ہوا تھا۔ اس خصوص میں کتب خانہ نواب سالار جنگ مرحوم (حیدرآباد) کے ذخیرۂ مخطوطات سے جو معلومات دستیاب ہوتے ہیں ان کو یہاں پیش کیا جاتا ہے، امید ہے کہ موجب دلچسپی ثابت ہوں۔

کتب خانہ سالار جنگ میں قصائد گویاؔ کے دو نسخے ہیں ہر ایک نسخہ کی علیحدہ علیحدہ صراحت کی جاتی ہے۔

(۱) نمبر (۱۲۹) دواوین۔ سائز (۹×۵) صفحات (۵۸) تاریخ کتابت درج نہیں ہے۔ اس نسخہ میں چھ قصیدے ہیں، ایک قصیدہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کی مدح میں ہے، دو سرے قصیدے ابوالمظفر معزالدین زمن نصیرالدین حیدر کی مدح میں ہیں۔ ان قصائد کا آغاز جن اشعار سے ہوا ہے وہ یہاں پیش ہیں۔

(۱) بہار میں ہو اگر ساقیا گلاب قلم — کھلے یہ غم سے بنے شیشۂ شراب قلم
عروس فکر کو دکھلائے گا شباب قلم — کیے مداد سے کیوں کر نہ اب خضاب قلم

یہ قصیدہ کافی طویل ہے اور حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا کی شان میں ہے۔

(۲) دوسرا قصیدہ ابوالمظفر معزالدین زمن نصیرالدین حیدر کی مدح میں ہے۔

برنگ گل جسے اب دیکھیے وہ خنداں ہے — بہار عیش سے ہندوستاں گلستاں ہے

(۳) تیسرا قصیدہ ابوالمظفر معزالدین زمن نصیرالدین حیدر کی مدح میں ہے۔

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

از وحید اختر

تبصرے

دلّی کالج میگزین کا میر نمبر

دلّی کالج ہندوستان کے قدیم علمی اداروں میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ اس ادارے کی ایوننگ کالج کی طرف سے اس سال جو ضخیم میر نمبر شائع کیا گیا ہے وہ اس کی شایانِ شان ہے۔ میر نمبر کو نثار احمد فاروقی نے مرتب کیا ہے۔

یہ نمبر چار جداگانہ ابواب پر مشتمل ہے: حیاتِ میر، میر کا فن، تصانیفِ میر اور خراجِ عقیدت۔ ان ابواب کے تحت تقریباً تمام ہی بلند پایہ محققین اور نقادوں کے مضامین یکجا کر دیے گئے ہیں۔ چار سو چونسٹھ صفحات کا یہ ضخیم نمبر مرتب کرنے اور ان حضرات سے مضامین فراہم کرنے میں مرتب کو جن صبر آزما منزلوں سے گزرنا پڑا ہوگا اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔

میر اردو کے اُن شاعروں میں سے ہیں جن کے نام سے ابھی ہماری شاعری کی آبرو قائم ہے۔ میر کو خدائے سخن بھی مانا جاتا ہے اور ناخدائے سخن بھی، لیکن خواجہ احمد فاروقی کی کتاب کے علاوہ میر پر کوئی ایسی مستقل تصنیف نہیں ملتی جو میر کے حالات و کوائف، ان کی زندگی اور کارناموں پر لکھی گئی ہو۔ چند ایسی کتابیں ضرور ہیں جن میں میر کی شاعری کے بعض پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے، لیکن حق تو یہ ہے کہ اب تک ہماری تحقیق نے میر صاحب کا حق ادا نہیں کیا۔ اس نمبر نے اس ادائے حق کی طرف پہلا قدم تو اٹھایا ہے، اور یہ احساس بھی کیا کم ہے۔

اس نمبر کا پہلا مضمون قاضی عبدالودود نے میر کے حالاتِ زندگی کے عنوان سے قلم بند کیا ہے۔ تمہید میں ہی اس جملے پر نظر ٹھہر جاتی ہے "میر نہ منصف تھے نہ راست گفتار، اور ان کا حافظہ بھی زیادہ قابلِ اعتبار نہیں"۔ یہ تمہید اس بات کی ہے کہ ذکرِ میر، میر کے حالات کے سلسلے میں مستند نہیں۔ قاضی صاحب میر پر اس سے پہلے بھی کئی مضامین لکھ چکے ہیں، پھر انھوں نے خواجہ احمد فاروقی کی کتاب پر تبصرہ بھی شائع کیا ہے اور "عبدالحق بحیثیت محقق" میں بھی میر کے حالات سے بحث کی ہے۔ زیرِ نظر مضمون کے بیشتر سند اور حوالے دیکھنے ہوں تو پہلے ان تمام مضامین کو یکجا کیا جائے جو قاضی صاحب وقتاً فوقتاً لکھتے رہے ہیں اور بغیر حوالوں کے قاضی صاحب کی باتوں کو قبول کرنے کے لیے بھی "ایمان بالغیب" کی شرط ہوگی۔ اس ذیل میں چند جملوں کی طرف اشارہ کرنا کافی ہوگا۔

"میری رائے میں ان کی قابلیت مشتبہ ہے۔"

"میر کی وسعتِ مشرب فرضی ہے۔"

علی متقی نے مرتے وقت حافظ محمد حسن، میر کے [illegible] بھائی سے جو گفتگو کی اس پر یہ رائے زنی کی گئی ہے۔

"مجھے بہت شبہ ہے کہ میر نے اس موقع پر راست گفتاری سے کام لیا ہے۔"

"میر کی ماں، علی متقی کی دوسری بیوی [illegible] لکھا ہے۔"

"ممکن ہے کہ وہ اس عہد کے معیارِ شرافت پر پوری نہ اتری ہوں۔"

میر کی قابلیت پر تو بہت بحثیں ہوئی ہیں، اس سے قطع نظر کہ اس بحث سے میر کو سمجھنے میں کوئی مدد بھی ملتی ہے یا نہیں، اگر میر جاہل بھی ہے تو اس سے میر کی عظمت پر کون سا حرف آتا ہے۔ دوسرے جملے بغیر ثبوت کے اتنے ہی مشتبہ قرار دیے جا سکتے ہیں جتنا شبہ خود میر کے بیانات پر ظاہر کیا گیا ہے۔ خیر یہ بات بھی اپنی جگہ پر دلچسپ ہے کہ اس محققانہ مضمون سے میر کے متعلق اب تک ہماری جو معلومات ہیں، ان میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہوتا۔ ہاں ضرور ہوا کہ یہی باتیں ایک نئی ترتیب سے سامنے آگئی ہیں۔ میر نمبر کو پڑھنے والا یقینی طور پر میر کی عظمت کا معترف ہوگا، اور اگر کسی مضمون کی ابتدا ہی میر پر شک کرنے سے کی گئی ہو تو مضمون سے قاری کی دلچسپی باقی نہ رہنا غیر فطری نہیں۔ تحقیق کا منصب یہ نہیں ہے کہ صرف سنین کو جمع کر دیا جائے یا ضمنی اور فروعی باتوں پر ہی زورِ قلم صرف کیا جائے بلکہ تحقیق کا تقاضا یہ ہے کہ جس شاعر پر لکھا جا رہا ہے، اس کے عہد میں اس کی شخصیت کو اس طرح پیش کیا جائے کہ شاعر کی شخصیت اور اس کا کارنامہ زندہ ہو کر نظروں کے سامنے آجائے۔ کہنے کو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ محقق یا ناقد "ابنِ مریم" نہیں جو مردہ چیزوں میں روح ڈال دے لیکن محمد حسین آزاد کے قلم نے باوجود تمام تحقیقی اور تنقیدی لغزشوں کے، یہ معجزہ بھی کر دکھایا ہے اور تحقیق کو تخلیقی ادب کے شاہکاروں کی روش پر لا کھڑا کر دیا ہے۔ کاش ہمارے کسی محقق کے ساتھ وسعتِ مطالعہ، تحقیقی باریک بینی اور سندوں اور حوالوں کے دفتر کے ساتھ وہ قلم بھی ہوتا جس سے آزاد نے آبِ حیات لکھی تھی۔

میر کے حالاتِ زندگی پر دوسرا مضمون کلب علی خاں فائق نے لکھا ہے، جو مبسوط بھی ہے اور مدلل بھی۔ دوسرے مضامین جو مختلف شخصیتوں اور میر کے حالات کے بعض گوشوں پر تحقیقی روشنی ڈالتے ہیں، اپنی اپنی جگہ معلومات افزا ہیں۔

تنقیدی مضامین میں سب سے اہم پروفیسر آل احمد سرور کا مضمون "میر کے مطالعے کی اہمیت" ہے جو کئی ایسے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے جن کو نظر میں رکھے بغیر میر کا صحیح مطالعہ ممکن نہیں۔ ڈاکٹر سلامت اللہ نے نئے زاویے سے میر کے غم پر بحث کی ہے اور اس مروجہ خیال کی تردید کی ہے کہ میر قنوطی تھے۔ نثار احمد فاروقی کا مضمون "میر کا آرٹ" اور اثر لکھنوی کا مضمون "میر کی متصوفانہ شاعری" بھی محنت سے لکھے گئے ہیں۔ اثر صاحب نے مضمون تو بہت ہی مختصر کیا ہے۔ صرف تصوف کی چند اصطلاحات کی تشریح کر دی گئی ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان اصطلاحات کا میر کی شاعری سے کیا اور کیسا تعلق ہے۔ البتہ میر کے چھ دیوانوں سے ان کی متصوفانہ شاعری کا جو انتخاب کیا گیا ہے وہ جامع بھی ہے اور مفید بھی۔

اس نمبر کا ایک اور توجہ طلب مضمون ڈاکٹر عبدالواحد تیواڑی کا لکھا ہوا ہے "زبان میر کی خصوصیات" جو لسانیاتی مطالعے کے ضمن میں پہلی کوشش ہے۔

"خراجِ عقیدت" کے عنوان سے چند نظمیں دی گئی ہیں، نثر میں صرف مرزا محمود بیگ پرنسپل دلی کالج کا ریڈیائی فیچر ہے۔ مرتب سے تعارف میں ایک تسامح ہوا ہے۔ انھوں نے جامعہ ملیہ کے ڈاکٹر سلامت اللہ اور علی گڑھ کے استاد انگریزی سلامت اللہ خاں کو غلطی سے شاید ایک ہی سمجھ لیا ہے۔

میر سے دلچسپی رکھنے والوں اور میر پر تحقیق کرنے والوں کے لیے یہ نمبر خاصے کی چیز ہے، جو اتنے ہی شوق سے پڑھے جانے کے لائق ہے جس شوق و ذوق سے مرتب کیا گیا ہے۔

شیرازہ ۔ زور نمبر

ڈاکٹر محی الدین قادری زور اپنی ذات سے ایک ادارہ بھی تھے اور اردو کا ایک عہد بھی۔ ڈاکٹر عبدالحق (بابائے اردو) کے بعد جن لوگوں نے اردو زبان و ادب کی نمایاں خدمات انجام دی ہیں ان میں ڈاکٹر زور کا نام سب سے نمایاں ہے انھیں کی کوششوں سے اردو ادب کی تاریخ کا سلسلہ محمد قلی قطب شاہ اور اس کے عہد سے جوڑا گیا۔ دکنیات کے سلسلے میں زور صاحب کی خدمات تاریخ ادب میں ناقابلِ فراموش کارنامہ ہیں۔

ڈاکٹر زور تمام عمر حیدرآباد میں اردو کی خدمت کرتے رہے۔ اور حیدرآباد کو ان کی وجہ سے "اردو کا مرکز" بننے کا شرف حاصل رہا۔ عمر کے آخری چند برس وہ کشمیر میں اردو کے پروفیسر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ اپنے مختصر سے قیام میں انھوں نے کشمیر میں ایک نئی ادبی زندگی کی روح پھونک دی تھی، وہ کام کرنا بھی جانتے تھے اور کام کروانا بھی۔ حیدرآباد کا یہ گوہر بے بہا سری نگر کی زمین ہی نے چرا بھی لیا۔ "شیرازہ" نے اپنا زور نمبر شائع کر کے زور صاحب سے کشمیر کے تعلق کا اعتراف کیا ہے۔

ابھی تو زور صاحب پر کتابیں لکھی جائیں گی، ان کے علمی اور تحقیقی کارناموں کا جائزہ لیا جائے گا۔ اور ان کی شخصیت اس اعزاز کی سزاوار بھی ہے۔ سب سے پہلے "شیرازہ" دوسرا رسالہ ہے جس نے زور نمبر شائع کیا ہے۔ زیادہ تر مضامین شخصی تاثرات ہیں۔ لکھنے والے جذباتی ہو گئے ہیں لیکن ان سے جو زور صاحب کو عزیز رکھتے تھے، ان کی وفات کے ایک برس بعد یہ توقع رکھنا بھی کہ وہ بغیر جذباتی ہوئے ان پر کچھ لکھ سکتے ہیں زیادتی ہوگی۔ مضامین لکھنے والوں میں عبدالقادر سروری، عبدالمجید صدیقی، نصیر الدین ہاشمی، عرش ملسیانی، وزیر حسن اور حیرت بدایونی کے نام اہم ہیں۔ حامدی کاشمیری نے ڈاکٹر زور کے قیام سری نگر کے حالات لکھے ہیں۔ اکبر الدین صدیقی نے ڈاکٹر زور کے ایک اور کارنامے "ایوان اردو" پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ [illegible] نے بڑی محنت و تحقیق سے ڈاکٹر زور کی جملہ تحریروں اور تصانیف کی سنہ وار فہرست مرتب کی ہے جو ڈاکٹر زور پر کام کرنے والوں کے لیے بہت مفید ثابت ہوگی۔

منظوم خراجِ عقیدت ایک رسم ہے ــــ اور "شیرازہ" نے بھی اس رسم کو نبھایا ہے۔

زور نمبر تین روپے میں جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹس، کلچر اینڈ لینگویجز، سری نگر سے مل سکتا ہے۔ "شیرازہ" کے ایڈیٹر اور مجلس مشاورت کے اراکین اس بروقت خدمت کے لیے اردو والوں کی طرف سے شکریے کے مستحق ہیں۔

بقیہ قصائد گویا (فقیر محمد خاں) کے دو قلمی نسخے

ہے جلوۂ دنداں لب جاناں کے برابر   رکھتے ہیں گہر لعل بدخشاں کے برابر

---

(۴) خیال نرگس بیگو جو تھا... تحریر   ہوئی ہے قلق خیال سے قلم کی صریر

یہ قصیدہ بھی بادشاہ کی مدح میں ہے۔

(۵) پانچواں قصیدہ عنوان میں کسی کا نام درج نہیں مگر بادشاہ ہی کی مدح میں ہے۔

بہار ہے یہ کیا گلشن جہاں میں اثر   کہ نخل کے غنچہ تصویر ہوگئی گل تر

(۶) چھٹا قصیدہ ابوالمظفر معز الدین زمن غازی الدین حیدر کی مدح میں ہے۔

ہوا ہے آتشِ غم سے عالم گلزار   کہ نخل طور ہیں گلشن میں یک قلم اشجار

ہر ایک قصیدے میں کئی کئی مطلع ہیں۔ قصائد کے ساتھ چند قطعات بھی ہیں۔

(۲) دوسرا نسخہ نمبر (۱۲۶) سائز (۹×۱۶) صفحات (۱۹)

اس نسخہ میں صرف تین قصیدے ہیں اور ان میں سے بھی ایک ناقص الآخر ہے۔

پہلا قصیدہ حضرت علی کی مدح میں ہے۔ یعنی

بہار میں جو اگر سا قبا گلاب قلم   لکھے یہ مجھ سے شیشۂ گلاب قلم

(۲) دوسرے قصیدے کے عنوان میں کسی کا نام درج نہیں ہے غالب بادشاہ کی مدح ہی میں یہ قصیدہ ہے۔

کیا کیا گروہ میں شکر خدائے قدیر کا   بخشا ہے مجھ فقیر کو رتبہ امیر کا

(۳) تیسرا قصیدہ ابوالمظفر معز الدین زمن نصیر الدین حیدر کی مدح میں ہے۔

بڑھنگ گل جسے دیکھیے وہ خنداں ہے   بہار عیش سے ہندوستاں گلستاں ہے

اس طرح دونوں نسخوں میں کل نو قصائد ہیں لیکن ان میں سے دو قصیدے مشترک ہیں، اس لیے کل سات قصائد یہاں موجود ہیں۔ افسوس ہے دونوں نسخوں میں کتابت کی تاریخ اور سنہ درج نہیں ہے، لیکن ان دونوں نسخوں کے مالکوں کے دو مہر ثبت ہیں، جن میں سے ایک مہر اعتصام الملک کی ہے اور دوسری محترم الدولہ کی۔ یہ دونوں حیدرآباد کے امیر تھے۔ اول الذکر میں ۱۲۲۲ھ اور ثانی الذکر میں ۱۲۳۶ھ کندہ ہے۔ ان سے واضح ہے کہ ان کی کتابت ان سنین سے پہلے ہوئی ہے۔

اگر ناظرین "ہماری زبان" میں سے کسی کو مزید معلومات کی ضرورت ہو تو بخوشی فراہم کیے جا سکتے ہیں۔ اس مختصر مضمون کے ذریعے صرف نشاندہی مقصود تھی، اس لیے اس قدر صراحت پر اکتفا کیا گیا۔

(نصیر الدین ہاشمی)

[illegible] نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شائع کیا